مسند الہند اور فہم حدیث

مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری ☆

ملاء اعلیٰ سے وہ کتاب آنے والی تھی جس کا دائرۂ کار صرف ایک نئے دین، نئی شریعت، نئے قانون، نئی امت سازی تک نہیں تھا بلکہ یہ الکتاب پچھلے تمام قوانین کی ناسخ، کتب سماوی کی قانونی حیثیت کے نفاذ کو ختم کرنے والی ہے اور ایک ایسے معاشرے میں خوشگوار انقلاب اس کا خاص مقصد تھا جو معاشرہ انسانیت سے کوسوں دور، آدمیت سے بمراحل بعید، حیوانیت سے قریب تر ہو چکا تھا۔ پھر اسے بھی نہ بھولئے کہ الکتاب المبین کی قانونی وتشریعی حیثیت کسی خاص وقت یا مدت کے ساتھ وابستہ نہیں، بلکہ اسے رہتی دنیا تک کام کرنا ہے اور کرتی رہے گی۔ یہ ہماری اور آپ کی جیتی جاگتی دنیا، تمدن کے نام پر کبھی تہذیب، کلچر، نت نئے فیشن، نئی پوشاک، نئے انداز، شاندار کوٹھیاں، پرفضا محلات، تجارت ومعیشت کے نئے نئے طریقے، خوفناک ہتھیاروں کی ریل پیل، انسان کش زہریلے کیمیکل، اپنے مفادات کے لئے ان اسلحہ کی تقسیم، مقصد کی تکمیل پر ان ہی ہتھیاروں کو ضائع کرنے کے لئے مطالبے، ان مطالبات میں کھلا ظلم، تشدد کی بدترین راہیں سب کچھ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، مگر قرآن کریم پندرہ سو سال سے جس انسانیت کو جگا رہا ہے، انسان کو جھنجھوڑ کر جس طرح بیدار کر رہا ہے، اس کے طریقۂ کار میں نہ کوئی تبدیلی، نہ کوئی تغیر، یہ کتاب اس درجہ مقدس تھی جس کے مضامین جہاں محفوظ کئے گئے حفاظتی انتظامات اتنے کڑے تھے کہ کسی انسان کی پرواز تو درکنار شیطان بھی اپنی شیطنت کے باوجود نہیں پہنچ سکا۔ اس کو پہنچانے

☆ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند۔

کے لئے بھی قوی ترین ذریعہ روح الامین کا اختیار کیا گیا "نزل به الروح الامین. انه لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین" یہ گوشہ بھی نہیں چھوڑا کہ جو وقت اس کے نزول کا طے کیا وہ ۱۲ مہینوں میں سب سے زیادہ مقدس مہینہ "شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن" "نور علی نور" انا انزلناه فی لیلة القدر" رمضان کیا ہے؟ بشری خواہشات کے طوفان وطغیان پر شریعت کا مضبوط بند جسے نہ سیل عرم زیر آب کر سکے، نہ سمندر کی طغیانی متاثر کر سکے۔ خیر کا غلبہ شر مغلوب، جود وکرم کی بارشیں، داد ودہش کا ابر کرم، مواسات وغم خواری کا بازار گرم۔ ملکیت کے علم بلند، شیطنت کے جھنڈے سرنگوں۔ یہ سب اشارے تھے کہ قرآن کریم کے لئے مقدس ماحول، فکر کی ذہنی تقدیس اس سے اصلاح پذیر ہونے کے لئے شر کو دبانا اور خیر کو اچھالنا، یہ سب کچھ اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اس "الکتاب" کو یہ سمجھ کر پڑھا اور پڑھایا جائے کہ خدا تعالیٰ براہ راست مجھ سے مخاطب ہے بقول علامہ اقبالؒ ع

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

تاج محل کی تعمیر، دہلی کی شاہ جہانی مسجد، لاہور کی شاہی عبادت گاہ وغیرہ میں عام معمار استعمال نہیں کئے گئے نہ کئے جاتے ہیں بلکہ اپنے فن کے ماہر، اپنی صناعی میں یگانہ سامنے آتے ہیں تب جا کر ان کی عمارتیں سینہ گیتی پر مرمریں لہروں کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔ پرشکوہ، رفیع الشان اسی وقت کہلاتی ہیں، جھونپڑوں میں کیا خوبصورتی، کہ قابل بیان ہو، کٹیا میں کیا دل کشی کہ مجلس میں اس کی تارتخیت زیر گفتگو آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ وقیع وپُر وقار کتاب، جس کے نزول کے فیصلے کے ساتھ ہی ہر قسم کی چوکسی برتی گئی تھی۔ ہمہ شما تو درکنار یہاں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام جیسے باوقار پیغمبروں کا بھی انتخاب نہیں ہوا۔ انتخاب ہوا تو لق ودق صحرائے عرب کے ایک نامی گرامی خاندان کے فرد کا جن کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ الیتیمی والتہامی ہے جن کے خفی وجلی، اجلی واخفی امتیازات کے لئے دفتر درکار ہے جو جس قدر بڑا ہے اس کے کلام کے لئے لفظ بھی اتنا ہی وقیع۔ ارشادات، ملفوظات، فرمودات وغیرہ مگر یہ سب تعبیرات یہ سب اسلوب یہ سب انداز حدیث کی حقیقت کو کھولنے کے لئے ناقص ونا کام۔ مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی یہ

کہہ کر پیچھا چھڑا رہے ہیں کہ کلام قدیم سے ممتاز کرنے کے لئے حدیث کا لفظ وضع ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی المغفور نے حدیث کا ماخذ "واما بنعمة ربک فحدث" کو ٹھہرایا، جو نکتہ بعد الوقوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر اس معلم اول وآخر نے محسوس کیا کہ انسانیت میرے کلام کی اہمیت کو نہیں سمجھ رہی ہے تو "او لا مقالتی" کا لفظ استعمال فرمایا جیسا کہ "نضر الله امرا سمع مقالتی" سے واضح ہے۔ لیکن ابھی ان ارشادات کا رفیع مقام سامنے نہیں آیا تھا نہ ان کی اہمیت واضح ہوئی تو سمجھانے والے نے صاف صاف کہا "حدثوا عنی ولا حرج" اس حدیث پر قیل وقال ہے مگر محدثین نے تعدد روایات کی بناء پر اسے قوی قرار دیا ہے۔ کہنے والے نے کہا تھا کہ "یعلمهم الکتاب" حدیث اسی کتاب کی شرح ہے۔ چنانچہ الشافعی الامام، دب دبا کر نہیں بلکہ بآواز بلند دعویٰ فرماتے ہیں کہ کوئی صحیح حدیث لاؤ۔ اس کا ماخذ قرآن سے متعین کردوں گا۔ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی بہت سی احادیث کا ماخذ قرآن سے متعین کیا، کچھ سمجھے آپ: اب ایک جانب تو قرآن وحدیث کی اہمیت کہ انسانیت کی ہر درماندگی کا علاج ان ہی میں ہے، ایک بصورت متن (القرآن) دوسرے بشکل حدیث، محمد رسول اللہ ﷺ کے داہنے ہاتھ میں قرآن تھا جب کہ بایاں حدیث کے بیش بہا خزانہ سے لبریز۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ لاکھوں حدیثیں کہاں سے آگئیں، بھلا سوچئے تو سہی جسے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں پوری دنیا میں انقلاب برپا کرنا تھا اس کا ہر قول وفعل، ہر انداز، ہر کردار اگر حدیث نہ بن جاتا تو یہ صبح کائنات اجالے سے کیسے آشنا ہوتی، بلکہ جہالت کی تاریکیوں میں ہمیشہ کے لئے الجھی رہتی۔ عام زندگی کو بھی لیجئے از صبح تا شام، رات تا دن، یک روزہ اس کی باتوں کو سمیٹے یقیناً دفتر بن جائیں گے۔ خواص کو دیکھئے جن کی خلوت وجلوت قانون، جو اسٹیج پر پھدکتے ہیں تو قانون، جب کرسی پر جم کر بیٹھتے ہیں تو قانون جب پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں تو پشتارۂ قوانین، پھر رسول اللہ ﷺ ایسے جلیل الشان نبی سے یہ بدگمانی کیوں؟؟ اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ آپ کا ایک ہی ارشاد محدثین کے یہاں اسناد کی کثرت سے عددی کثرت پاتا ہے، "من کذب علیّ متعمداً" حدیث ایک ہی ہے لیکن سندی کثرت کی بناء پر ۱۰۰ سے اس کا عدد کہیں سے کہیں جا پہنچا پھر فہم حدیث کے بھی حدیث سے مراحل ہیں۔ لغت سے حل کیجئے۔ پس منظر پر نظر دوڑائیے، کارہائے نبوت کو سامنے رکھئے،

مقاصد نبوت کونظر انداز نہ ہونے دیجئے وغیرہ تا آنکہ محققین نے کہا کہ القرآن کو سمجھنے کے لئے تو ۱۵رعلوم ضروری ہیں لیکن فہم حدیث کے لئے ۸۴ بنیادی علوم درکار ہیں۔ ابھی رکئے فہم حدیث کا ایک دوسرا مرحلہ ہے کہ جب کبھی امت سنبھلی تو اسی القرآن والحدیث سے، بگاڑ نے جب معاشرہ میں دخل پایا ان ہی دو مضبوط ستونوں کو چھوڑنے کی بناء پر، جانے والا مقدس ترین انسان جب اس فانی عالم سے عالم جاودانی کی طرف گامزن تھا تو امت پر یہ راز کھول گیا کہ دو چیزیں تمہارے پاس ایسی ہیں جن سے تمہارے لڑکھڑاتے قدم استوار ہوں گے یعنی الکتاب و السنۃ۔

اب آیئے ایک اقتدار بکھر رہا ہے تو دوسرا مکر و مکاری، فریب وعیاری کو دوش بدوش لے کر ہندوستان پر دھیرے دھیرے اپنے قدم جما رہا تھا۔ اسلامی سلطنتوں کی تباہی و بربادی کے بعد ہندوستان میں شوکت شاہی وفخر خسروی کے پرخچے اڑائے جا رہے تھے۔ جانے والے اقتدار اور آنے والے ظالمانہ استبداد کے نتائج اتنے خوفناک تھے جنھیں نظر انداز کرنا مجرمانہ غفلت ہوتی، ٹھیک ان جاں گسل اوقات ولمحات میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے سمجھا اور خوب سمجھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے اس میں صراط مستقیم پر امت کو جمائے رکھنے کے لئے القرآن والحدیث ہی کام دیں گے۔ چنانچہ حدیث کی عربی وفارسی شرح، اصول تفسیر پر عجالۂ نافعہ، فارسی ترجمہ قرآن بلکہ پورے خاندان کو اسی عظیم کام میں مصروف کردیا۔ ہندوستان کی مایہ ناز شخصیت خانوادہ ولی اللہ کے شب چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز الدہلوی کے بارے میں علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امت حدیث کا حق ادا کرچکی لیکن قرآن کا قرض باقی ہے۔ کاش کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی تفسیر مکمل ہوجاتی تو امت اس قرض سے بھی سبکدوش ہوجاتی۔ حضرت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کا الہامی ترجمہ، شاہ رفیع الدین کی سنبھلی ہوئی زبان۔ اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے وبار آور بنانے کے لئے دہلی کی مشہور درسگاہ کا قیام یہ سب کچھ اسی استوار فکر کے ثمرات تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے مجاہدانہ جد وجہد کے بعد مالٹا کے جزیرہ کی طویل اسارت سے لوٹ کر دیوبند کی پہلی تقریر میں حضرت مولانا محمود حسن، المعروف بشیخ الہند نے بھی فرمایا کہ مالٹا کی ۳رسال سے زائد اسارت میں ہم پر یہ حقیقت کھلی کہ امت میں مفید تر کام انجام دینے کے لئے الکتاب والسنۃ کو دونوں ہاتھوں سے تھامنا ہوگا۔ یہ قرآن وحدیث کی طاقت وتاثیر

کو سمجھنے کا ایک فہم تھا بالغ النظری تھی اور ہر جہت سے اٹھنے والے فتنہ کا بھرپور توڑ فہم حدیث کی تیسری منزل کہ حضرت شاہ صاحب حدیث کو کس طرح سمجھے اور سمجھاتے ہیں ابتدائی گفتگو اسی واقعی و آخری منزل کے لئے ہے۔

اسلام کے شاندار ماضی کو زبوں حالی کے اس دور پر ہرگز قیاس نہ کیجئے ماضی تحصیل علم حصول کمالات پیش قدمی، و راہ نمائی کے ان واقعات سے لبریز ہے جو تاریخ کے جگمگاتے ہوئے اوراق ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے چھوڑے ہوئے قیمتی اثاثہ کی تلاش و جستجو تو براہ راست دین کا ایک بڑا حصہ تھا محدثین نے حدیث کے ذخیرہ کی جستجو میں مشرق و مغرب شمال و جنوب کی طویل طنابوں کو کس کر رکھ دیا۔ پاپیادہ اسفار، مشقت سے لبریز، ناداری و غربت، مفلسی و فلاکت ان کے ولولوں کو سرد تو کیا کرتی اور مہمیز دیتی۔ حدیث کی تلاش کے اسفار کو "رحلة" کا مقدس نام دیا گیا، اس راہ کی صعوبتیں اور شاق اسفار دنیا کے لئے سامان برکت اور آفات سے حفاظت کا قوی ذریعہ سمجھائے گئے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ خود فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ تلاش حدیث میں میرے اسفار کوفہ کی جانب کتنے ہوئے؟ اور واقعہ یہ ہے کہ مرکز سے وابستگی بھی اس راہ کی سب سے بڑی کامیابی تھی، جاننے والے جانتے ہیں کہ کثیر الروایہ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک بار خود فرمایا کہ مجھ سے زیادہ حدیث کا کوئی جاننے والا نہیں بجز عبداللہ بن عمرو بن عاص کے۔ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ مگر عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایات کا عدد کم اور ابو ہریرہ کے روایتی عدد کہیں سے کہیں۔ عبداللہ شام میں مقیم ہو گئے جس نے علمی مرکزیت اختیار نہیں کی تھی۔ ابو ہریرہ کا قیام مدینہ طیبہ میں تھا جو اس دور میں حدیث کے اخذ و قبول اور اشاعت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اس راز کو سمجھا اور ہندوستان سے باہر پہنچ کر حدیث کو حدیث کے سرچشموں سے حاصل کیا۔ ظاہر ہے کہ اس رحلة کا خاص نتیجہ فہم حدیث ہی کی صورت میں سامنے آنا چاہئے تھا۔

بخاری الامام کی دقت نظری حدیث تالیفی مجموعہ میں ان کی ژرف نگاہی ان کے مشہور تراجم سے واضح ہے۔ محدثین میں کوئی اس دقت نظری کا مظاہرہ نہیں کرسکا۔ مشہور محدث نسائی الامام

کے تراجم امام بخاری کے بعد ہیں بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ کچھ مواقع پر امام نسائی کے تراجم امام بخاری کے تراجم کا عکس جمیل ہیں۔ حسن ظن سے کام لیجئے تو "توارد" کہئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نسائی الامام کو امام بخاری کے یہ تراجم اس قدر برجستہ محسوس ہوئے کہ اضافہ وترمیم تو درکنار، فہم حدیث کا بعینہ ترجمان سمجھتے ہوئے انہیں جوں کا توں باقی رکھا۔ مشہور تو یہی ہوگیا کہ بخاری کا فقہ ان کے تراجم میں ہے لیکن ہر مشہور بات صحیح ہو ضروری نہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ بخاری کا فہم حدیث ان کے تراجم میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ اپنے ۲۵ سالہ بخاری شریف کے درس کی سعادت کے بعد کہہ سکتا ہوں کہ نرا مطالعہ شاید کارآمد نہ ہو۔ تدریس میں بہت سے اشکالات ذہن خود پیدا کرتا ہے تو گاہے مستعد طلباء کچھ مشکلات پر متنبہ کرتے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے کہ بخاری نے عنوان قائم کیا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے۔ پیش کردہ حدیث پر فقہی مباحث واختلاف فقہاء کا انبار ہے جو بجائے خود مفید ہے۔ اس سے متصلاً عنوان ہے "من الدین الفرار من الفتن" جس میں رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئی جو پیغمبرانہ صداقت کی آئینہ دار ہے، مذکور ہے۔

سالہا سال کی تدریس کے بعد احقر پر سانح ہوا کہ انصار سے متعلق پیش کردہ حدیث ایک مقدس طبقہ کی عظمتوں کو واشگاف کرتی ہے لیکن مہاجرین کی فدائیت، جان نثاری، اسلام کے لئے عظیم قربانیاں بھی ایسی نہیں کہ بخاری الامامؒ ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ ترک وطن واعزہ واقارب سے جدائی، کاروبار سے یکسوئی یہ سب کچھ دین ہی کی حفاظت کے لئے تھا، الامامؒ نے لاحقہ عنوان سے ترازو کے دونوں پلڑے برابر کردیئے "کتاب العلم" میں حضرت عمرؓ کا ایک مقولہ بخاری نے نقل کیا ہے کہ "دنیا کی سیادتوں سے پہلے علم حاصل کرو، بعد میں حاصل اعزاز واقتدار تحصیل کمالات میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے" اس جاندار واقعی مقولہ کے بعد بخاری نے قال ابو عبداللہ وبعد کبر سنہ کا اضافہ کیا ابوحنیفہ الامامؒ سے تو ان کی بدگمانی کے چرچے عام ہیں لیکن فاروق اعظمؓ کے کسی قول پر رائے زنی یا تبصرہ بہت سی پیشانیوں کی شکن ہے۔

علامہ کشمیری المغفور نے بلاغت کی ایک صنعت "احتراس" (چونکا دینا) کا سہارا لیا اور فاروق اعظمؓ کی عظمتوں کے بخاری کے تبصرہ سے تحفظ کی کوشش کی مجھے یہ کہنا ہے کہ امام بخاری نے

اپنے تبصرہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے اس مشہور سفر کا تفصیلی ذکر کیا جو خضرؑ سے تحصیل کمالات کے لئے ہوا ہے نبوت وسیادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی عظمت نہیں تحصیل کمالات کی راہ میں نہ یہ سیادت رکاوٹ ہے نہ موسیٰ علیہ السلام کی کبرسنی۔

اس گفتگو سے یہ سمجھنا کافی ہے کہ بخاری نے اپنے عنوانات میں باریک بینی، ربط اور تسلسل کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے کوئی غیر مربوط وغیر منظم تالیف نہیں، کہ دنیا نے صحت حدیث کے اہتمام پر نظر رکھ کر قرآن کے بعد صحیح بخاری کو دوسرا درجہ دیا ہو بلکہ تالیفی سلیقہ وقرینہ خود امام کی عظمتوں کی جانب دامان اہل علم کو کھینچ رہا ہے۔ مشہور مورخ ابن خلدون نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ بخاری کا حق امت پر باقی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآراء شرح ''فتح الباری'' کی تکمیل پر ان کے مشہور شاگرد حافظ سخاویؒ اپنے استاذ کے عشق میں فرہادی جذبہ سے سرشار رقم طراز ہوئے کہ ہمارے استاذ حافظ ابن حجر نے یہ شرح لکھ کر بخاری کے قرضہ سے پوری امت کو سبکدوش کر دیا اور یہ اعلان غلط بھی نہیں۔

تاہم امام بخاری کے تراجم اب بھی کما حقہ حل نہ ہو سکے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ''کاش کہ اس موضوع پر ابن تیمیہ کا قلم اٹھتا تو کوئی نادر چیز وجود میں آتی۔'' امام دہلوی نے ۱۴ اصول قائم کئے اور بخاری کے تراجم کو حل کرنے کی کوشش کی۔ ان زریں اصول کے تحت شاہ صاحب قدس سرہ نے تراجم پر جو کچھ قلمی اثاثہ چھوڑا اس سے ان کا فہم حدیث کھل کر سامنے آتا ہے۔ راقم الحروف دو چار مثالوں سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے فہم حدیث کو واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو لیجئے۔

بخاری کا پہلا ترجمۃ الباب ''کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ ﷺ'' ہے یہ عنوان اس طرف اشارہ دیتا ہے کہ بخاری وحی سے متعلق ابتدائی کیفیات کا تفصیلی نہ سہی اجمالاً ہی جائزہ لیں گے مگر غضب یہ ہے کہ پہلی حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' ہے۔ ذیلاً مذکور احادیث میں صرف ایک حدیث وحی کی ابتدائی کیفیات کو کچھ واضح کرتی ہے۔ شارحین سرگرداں ہیں کہ عنوان اور معنون میں مطابقت کیسے پیدا کی جائے؟ ہندوستان کے مشہور محدث شیخ الہند محمود حسن صاحب قدس سرہ نے بدایت کو فاعلی، مفعولی، زمانی، مکانی میں تقسیم فرما کر مطابقت کی

راہوں میں کچھ چراغ روشن فرمائے، ان کے مشہور شاگرد علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہاں بدایت سے بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ وحی جس کا سلسلہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر آ کر رک گیا تھا عدم سے وجود میں کس طرح آئی؟ کن مراحل سے گذری؟ اور ہم تک کیسے پہنچی؟ گویا کشمیری الامام بدأ کو ابتداء کے معنی میں لینے کے بجائے ظہور کے معنی میں لیتے ہیں اور اپنے مقصد کو امام بخاری کے اسی قبیل کے تراجم سے مؤید کر رہے ہیں۔ اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے بدایت بمعنی ابتدائی پر فاضلانہ زور قلم بھرپور استعمال کیا جب کہ حضرت شاہ ولی اللہ "باب کیف کان بدء الوحی" میں صرف الوحی پر توجہ فرماتے ہیں متلو (القرآن) دوسری قسم وحی غیر متلو (احادیث صحیح) کی تقسیم کرتے ہوئے بدایت سے پیدا ہونے والے جھگڑے نمٹاتے ہیں۔

اہل علم کو یہ تین توجیہات خود بتائیں گی کہ فہم حدیث میں شاہ صاحب کیا رفیع مقام رکھتے ہیں۔ دوسری مثال لیجئے کتاب الایمان۔ ایمان کی حقیقت پر مباحث کا ایک طومار ہے ایمان تصدیق قلبی اقرار لسانی، نیک اعمال کے اہتمام کا مجموعہ ہے لیکن اس دنیا میں کھلا نظر آیا ہے کہ اعمال کا اہتمام شاذ و نادر ہے پھر بھی تارک اعمال کو مومن قرار دیا گیا۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک ''انقیاد'' اگر یہ بھی ہوگا تو دنیاوی اعتبار سے مومن قرار دینے میں کوئی تکلف نہیں۔ دوسری قسم حقیقی ایمان کی تجویز فرمائی۔ جس میں اعمال کا بھی بھرپور اہتمام ہو۔ اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ دنیا اس کو بھی انسان کہتی ہے جس کی صحت کو گھن لگ چکا، جاں گسل بیماریوں نے گھیر رکھا ہے، موت سے قریب اور زندگی سے دور ہے اور وہ قوی تندرست و توانا بھی انسان ہی کہا جائے گا جس کی صحت و تندرستی قابل رشک ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی اس مختصر، بلند و بالا تعلیم سے مباحث ایمان میں کھڑے پہاڑوں کو ہٹا کر فیصلہ کی راہ صاف کر دی۔

تیسری مثال لیجئے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ''حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔'' مشہور امام لغت امام راغبؒ نے حیاء کے لغوی معنی واضح کئے ہیں۔ علامہ کشمیریؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی ترمذی میں موجود ایک روایت سے خود رسول اکرم ﷺ کی وہ تشریح نقل کی جو حیاء کی اس حقیقت کو کھولتی ہے جسے صرف نبی جلیل واجل ہی سمجھ پاتے یا سمجھا سکتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ یہ حیاء بھی کفر بدوش

افراد میں موجود ہوتی ہے جب کہ بعض مومن اس دولت عظمیٰ سے تہی دامن نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے حیاء کا اولین تقاضہ معصیت سے حفاظت قرار دیا اور چونکہ ایمان بھی یہی کام کرتا ہے اس لئے حیاء کو مجازاً ایمان قرار دیا۔

ایک اور مثال لیجئے رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ میری احادیث کو امت کا اولین طبقہ کسی انقطاع کے بغیر قیامت تک پہنچاتا رہے۔ بڑی اونچی بات فرمائی کہ براہ راست جو مجھ سے سن رہے ہیں عجب نہیں کہ امت کا آخری طبقہ فہم حدیث میں ان سے آگے بڑھ جائے۔ معلوم ہوا کہ شاگرد استاد سے علوم میں فائق ہو سکتا ہے۔ مسترشد باطنی کمالات کی شہرت میں اپنے مرشد کو پیچھے چھوڑ سکتا ہے۔ ابوحنیفہ الامام کو تو بیشتر جانتے ہیں لیکن ان کے شیوخ و اساتذہ کو جاننے والے کچھ ہی نکلیں گے یہی حال باقی تین ائمہ کا بھی ہے۔

شیخ عبدالقادر الجیلانی، سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی، معروف شخصیتیں ہیں لیکن انہوں نے کس سرچشمہ سے باطنی کمالات کی سیرابی حاصل کی؟ خال خال ہی افراد کو معلوم ہوگا۔

اس عنوان کے تحت موجود حدیث میں مذکور ہے کہ تمہاری جانیں ایک دوسرے کے لئے اس طرح حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن کی حرمت۔ یاد رہے کہ یہ حجۃ الوداع میں آپ کا وہ معرکۃ الآراء خطبہ ہے جس میں انسانی جان و مال، عزت و آبرو سے نہ کھیلنے کی وہ تلقین ہے جسے کوئی بین الاقوامی چارٹر بھی واضح نہیں کر سکے گا۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہاں حرمت سے کیا مراد ہے؟ آیا وہی معروف حرمت جو حلت کے مقابل ہے یا وہ جو اہانت کے مقابلہ میں استعمال ہوتی ہے؟ دونوں حرمتیں مشکلات کی حامل ہیں۔

شاہ صاحب نے حل فرمایا کہ اگر حرمت بمقابل حلت لی جائے تو مفہوم ان برائیوں کا ارتکاب ہوگا جنہیں اس خاص دن میں عوام و خواص بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ اور اگر حرمت اہانت کے مقابلہ میں ہے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ کوئی دوسرے کی توہین کا مرتکب نہ ہو۔

ایک اور مثال سے شاہ صاحب کی فہم حدیث میں بلند قامتی نمایاں ہے۔ امام بخاری نے عنوان قائم کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ارشاد کو بار بار فرماتے تاکہ سامعین کا ہر طبقہ مستفیض ہو۔ اس

کے تحت حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تو تین بار سلام فرماتے علامہ سندھیؒ نے تینوں سلاموں کو سلام استیذان قرار دیا اور اس کی ارشادات نبوی سے تائید پیش کی کہ اجازت کے لئے تین ہی کا عدد مسنون ہے۔ بدر عینی نے پہلا سلام استیذان کے لئے، دوسرا سلام تحیہ جو مجلس میں اپنے لئے مخصوص مقام پر پہنچ کر شرکائے مجلس کو کیا جاتا ہے۔ تیسرا سلام سلام وداع جو مجلس سے رخصت ہونے پر کیا جاتا ہے۔

علامہ کشمیری نے معروف طریقہ سے مدلل اور فرمایا کہ شرکائے مجلس اگر بکثرت ہوں تو مجلس میں داخل ہونے والا پہلی نشست میں موجود کو سلام کرتا ہے۔ درمیان میں پہنچ کر ان حاضرین کو جو یہاں موجود ہوتے ہیں۔ تیسرا سلام نشست سے قریب بیٹھنے والوں کو۔

شاہ ولی اللہ الامام الدہلوی پہلا سلام سامنے والوں کے لئے۔ دوسرا دائیں جانب میں تیسرا بائیں جانب کے شرکاء کے لئے تجویز فرماتے ہیں۔ راقم السطور اس اعتراف میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتا کہ وقت کی تنگی اور بے بضاعت قلم عنوان کا حق ادا کرنے میں قاصر رہا پھر بھی طویل اور بے مغز سمع خراشی کے لئے معذرت طلب ہوں۔

امام شاہ ولی اللہؒ

اور

ان کے افکار و نظریات

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہؒ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی